کو نگاہ اشتباہ دیکھ کر توفیق پاشا خدیو مصر سے اُنکے اخراج کا حکم جاری کرا دیا چنانچہ وہ اپنے جاں نثار شاگرد ابو تراب کے ساتھ جو کبھی مجتہد العصر آقا سید محمد طباطبائی کے متوسلین میں تھا۔ اور اُس وقت سید صاحب کا ارادتمند حلقہ بگوش تھا ماہ ستمبر ۱۸۷۹ء میں مصر سے روانہ ہو کر سیدھے ہندوستان پہنچے۔ اور حیدر آباد دکن میں اقامت اختیار کی۔

زمانہ قیام حیدر آباد میں اُنہوں نے ایک کتاب بزبان فارسی ملاحدہ کے رد میں لکھی جس کا بعد میں عربی ترجمہ بھی ہو گیا۔ اصل کتاب ۱۸۸۱ء میں شائع ہوئی۔ اور اُس کا ترجمہ بمقام بیروت ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا۔

یہاں بر سبیل تذکرہ یہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کتاب کے شروع میں سید صاحب نے اپنی ابتدائی زندگی کے سوانح اور خاندانی حالات تمہیداً سپرد قلم کئے ہیں۔ سید صاحب کے واقعات زندگی کو دوسرے لوگوں نے بھی قلمبند کیا ہے مثلاً جرجی زیدان نے اپنی کتاب "مشاہیر الشرق" میں جو بمقام قاہرہ ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ سید صاحب کی زندگی کی مبسوط سرگذشت لکھی ہے۔ اس کے علاوہ ناظم الاسلام کرمانی نے حال میں ایک کتاب "تاریخ بیداری ایرانیاں" کے نام سے تصنیف کی ہے۔ جس کے مقدمہ کا ایک بڑا حصہ سید صاحب کے سوانح عمری کے لئے وقف کیا گیا ہے مصری رسالہ "المنار" میں سید صاحب کی قلموں اور عجیب و غریب زندگی کے ہر پہلو پر تفصیلی اور انتقادی نظر حال ہی میں ڈالی گئی ہے۔ لیکن یہ مختلف سوانح سید صاحب کے مقام ولادت کے متعلق متفق البیان نہیں ہیں صاحب "تاریخ بیداری ایرانیاں" کا بیان ہے۔ کہ سید جمال الدین اسعد آباد میں جو مضافات کابل سے ہے نہیں بلکہ اسد آباد میں پیدا ہوئے جو ہمدان سے، فرسنگ

اور کنگاور سے ۵ فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس لئے وہ حقیقت میں ایرانی الاصل تھے۔ لیکن افغان وہ اپنے آپ کو اس لئے کہتے تھے کہ چونکہ وہ سنی المذہب تھے اس لئے ایران میں اُن سے کوئی متعرض نہ ہو۔ اس کے علاوہ ایرانی گورنمنٹ اپنی رعایا کے حقوق کی کافی حفاظت نہیں کرتی۔ صاحب تاریخ بیداری ایرانیاں ہی کا یہ خیال نہیں بلکہ تمام ایرانی سید صاحب کو اپنا ہموطن سمجھتے ہیں لیکن ایسی حالت میں جبکہ سید صاحب خود بصراحت بیان کرتے ہیں کہ وہ افغان ہیں صاحب تاریخ بیداری ایرانیاں" اور اُس کے ہم آہنگوں کی کمزور اور بودی دلیلیں سید صاحب کے دعوی کی تردید میں باور نہیں کی جاسکتیں اگر ایرانی شیعیت کے خوف سے اُنھوں نے اپنے آپ کو باوجود ایرانی الاصل ہونے کے افغان مشہور کیا اور شیعان ایران ایسے ہی متعصب ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اسی شیعہ دنیا پر ایک سنی عالم ایسا گہرا اور ہمہ گیر اثر ڈال سکا۔ یہ خیال بھی مضحکہ انگیز ہے۔ کہ چونکہ اُنھیں ایرانی گورنمنٹ کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ اپنی رعایا کو بچا نہیں سکتی لہذا وہ افغان کہلانے لگے اگر یہی خیال تھا تو اُنھوں نے اپنے آپ کو عثمانی کیوں نہ مشہور کیا۔ اس کے علاوہ بقول پروفیسر براؤن کے اگر وہ اسد آبادہی میں پیدا ہوئے ہوتے تو افغانستان کے پالٹیکس سے جو گہرا تعلق اُنھیں ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۸ء تک رہا اُس کی کیا توجیہہ کیجا سکتی ہے۔

القصہ ۱۸۸۲ء میں "نوجوان مصریوں" کی وہ تحریک جس کے ساتھ سید جمال الدین کو پوری ہمدردی تھی اور جس کا ابتدائی مقصد یہ تھا کہ خدیو کی مسرفانہ عادات اور غیر محدود اقتدار کی اصلاح کر کے اغیار کی مداخلت اور مقابضت کا سدباب کیا جائے عربی پاشا کے خروج۔ اسکندریہ کی گولہ باری۔ تل الکبیر کی لڑائی اور برٹش قبضہ پر جا نبتی ہوئی جنگ کے شروع ہونے سے پہلے گورنمنٹ ہند نے سید جمال الدین کو حیدرآباد سے کلکتہ بلا لیا۔

اور جب تک ہندوستانی قوم پرستوں کو شکست نہ ہو گئی انہیں وہیں روکے رکھا۔ اس کے بعد انہیں ہندوستان سے رخصت ہونیکی اجازت دی گئی۔ چنانچہ کلکتہ سے وہ پہلے لندن اور وہاں سے پیرس گئے جہاں وہ تین سال تک رہے۔

زمانہ قیام پیرس میں ان کے دوست اور شاگرد شیخ محمد عبدہٗ کی ملاقات ان سے قاہرہ میں اول اول ۱۸۷۱ء میں ہوئی تھی اور اس کے بعد سے دونوں میں رشتہ محبت و یگانگت روز بروز بڑھتا گیا تھا۔ شیخ کو ۱۸۸۲ء کے ہنگامہ میں حصہ لینے کی وجہ سے جلاوطنی کی سزا دی تھی اور وہ بھی پیرس چلے آئے تھے۔ دونوں نے مل کر ایک عربی اخبار "العروۃ الوثقیٰ" نکالا جس میں زیادہ تر پولیٹیکل مباحث ہوتے تھے اور جس کا لہجہ انگلستان کے خلاف تھا۔ یہ اخبار ساڑھے چار مہینے سے زیادہ نہ نکلنے پایا اس لئے کہ انگریزی گورنمنٹ نے اس کے پرجوش حملوں سے ڈر کر اور اس کے روزافزوں اثر سے خائف ہو کر ہندوستان میں اس کا داخلہ بند کر دیا۔ اور غالباً دوسرے ذرائع سے بھی کام لیا۔ جنہوں نے اس کی شمع ہستی کو گل کر دیا۔

زمانہ قیام پیرس میں سید صاحب نے فرانسیسی زبان سیکھنی شروع کی اور اس میں کافی دستگاہ بہم پہنچالی۔ یہیں سے یورپ کے مختلف سربرآوردہ اخباروں اور رسالوں میں آپ نے مضامین لکھے اور مشہور فرانسیسی مستشرق رینان کے ساتھ مسئلہ اسلام و سائنس پر علمی مناظرہ میں مصروف رہے۔ انگلستان۔ روس۔ ٹرکی اور مصر کے متعلق ان کے پولیٹیکل مضامین کا اقتباس انگریزی اخباروں میں بکثرت شائع ہوتا رہا۔ اور اس زمانہ کے انگلش مدبروں کا ان کی نسبت یہ خیال تھا کہ اس عجیب وغریب آدمی سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اسی زمانہ یعنی ۱۸۸۵ء میں سید جمال الدین لندن گئے۔ اور لارڈ رنڈالف

چرچل ۔ سرڈرمنڈ ولف اور لارڈ سالسبری سے ملے جو مہدی سوڈانی کے متعلق اُن کے خیالات دریافت کرنا چاہتے تھے۔ اور مسٹر ولفرڈ بلنٹ نے جو مصری معاملات کے ماہر سمجھے جاتے ہیں یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ لارڈ سالسبری کی یہ تمنا تھی کہ اگر ممکن ہو تو سید جمال الدین کے ساتھ مناسب شرائط پر سمجھوتا ہو جائے۔

جب عروۃ الوثقیٰ بند ہو گیا تو سید جمال الدین پیرس سے پہلے ماسکو اور وہاں سے سینٹ پیٹرسبرگ گئے۔ جہاں روسی گورنمنٹ نے اُن کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ سینٹ پیٹرسبرگ میں اُن کا قیام چار سال تک رہا۔ اور اس زمانہ میں اُنہوں نے مسلمانانِ روس کے ساتھ وہ احسان کیا جسے اُن کی آیندہ نسلیں بلکہ کل مسلمانانِ عالم فراموش نہ کر سکیں گے۔ روس میں مسلمانوں پر حکومت کی طرف سے جو جبر و تشدد ہوتا تھا۔ اُس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ اُنہیں کلام مجید اور دوسری کتب مذہبی کے چھاپنے تک کی اجازت نہ تھی۔ سید جمال الدین نے زار کو اس ظالمانہ حکم کی تنسیخ پر آمادہ کیا۔ اور اُن کی کوششوں سے مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو گئی وہ آزادی جو اُنہیں جان سے زیادہ پیاری ہے لیکن جسے وحشی اور ظالم حکومت نے اُن سے بجبر چھین رکھا تھا۔ کیا اس واقعہ کو پیش نظر رکھ کر ہم مسلمانانِ ہند کو درگاہ رب العزت میں سجدہ شکرانہ بجا لانا چاہیئے کہ ہماری قسمت کی باگ ایک ایسی شریف النفس اور مصلحت اندیش قوم کے ہاتھ میں دی گئی جس کی جہانداری کے دستور العمل کا پہلا اصول موضوعہ یہ ہے کہ رعایا کو کامل مذہبی و عمرانی آزادی دی جائے اور اُن کے عقائد کا پورا ادب ملحوظ رکھا جائے۔ علمائے اسلام نے ہندوستان کو اگر دار الحرب نہیں سمجھا۔ بلکہ دار الاسلام قرار دیا ہے تو اُن کا یہ فتویٰ بے وجہ نہیں ہے۔

سید جمال الدین ابھی پایہ تخت روس ہی میں مقیم تھے کہ ناصر الدین شاہ فرمانروائے ایران بہ تقریب سیاحت یہاں وارد ہوئے اور سید صاحب سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا سید صاحب نے ازراہ غایت استغناء شاہ کجکلاہ کے پیام کو نظرانداز کر دیا۔ لیکن

قابل تغیر نبود آنچہ تعیین کردہ اند

دونوں کی ملاقات اور وہ نتیجہ جو اس سے مترتب ہونے والا تھا مقدر ہو چکا تھا کچھ دن بعد میونک میں سید صاحب شاہ سے ملے اور شاہ نے یہ کہکر کہ میں آپکو صدر اعظم مقرر کرونگا اُن سے باصرار تمام ایران چلنے کو کہا۔ اول تو سید صاحب نے انکار کیا لیکن پھر بعض مصلحتوں سے رضا مند ہو گئے اگرچہ اُن کے دوست شیخ عبد القادر مغربی اُنکو بار بار متنبہ کرتے رہے کہ ایسی حالت میں جبکہ آپکو سُنی عقائد میں اس درجہ غلو ہے اور ملت حنفیہ کی تقویت اور استحکام میں آپکی مساعی جمیلہ الم نشرح ہو رہی ہیں۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ناصر الدین شاہ آپ کو صدارت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر مامور کرے سید جمال نے جن کی زندگی کی غایت الغایات سُنی اور شیعی دنیا کا باہمی اتحاد تھا۔ اپنے دوست کا یہ فقرہ سن کر زبان سے تو اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ لیکن اپنے مقصد اصلی کو پیش نظر رکھ کر دل میں یہ کہا۔

شاید کہ ہمیں بیضہ برآرد پر و بال

اور شاہ کے ساتھ ہو لئے۔ شیخ عبد القادر مغربی نے شیعیت اور حنفیت کے تخالف کو سید جمال الدین کی ہمرکابی شاہ کجکلاہ کا عنان گیر خیال کیا تھا۔ یہ خیال تو صحیح نہ تھا۔ البتہ دوسری قوی وجوہ ایسی تھیں۔ جو شاہ کی سلک ملازمت میں سید صاحب کے منسلک ہونے کی روادار نہ تھیں۔ دونوں کی طبیعتوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ سید جمال الدین شیدائے حریت ناصر الدین شاہ دل دادۂ استبداد۔ ایک قومی حقوق کی حمایت میں سینہ سپر

دوسرا ان حقوق کی پامالی پر ثابت قدم۔ ایک جمہوری آئین کا آرزومند دوسرا مطلق العنان شخصی اقتدارات کا متمنی۔ دونوں میں میل ہوتا تو کیونکر ہوتا۔ یہ اختلاف طبائع بہت جلد رنگ لایا۔ طہران آئے ہوئے سید جمال الدین کو زیادہ مدت نہ گزرنے پائی تھی کہ عارضی رعونت جو یورپ کے سفر نے ناصر الدین شاہ پر چڑھا دیا تھا اُتر گیا اور سید صاحب کے ساتھ بے اعتنائی برتی جانے لگی۔ شاہ کے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر سید صاحب نے مراجعت یوروپ کی اجازت طلب کی جس کے دینے سے کسی قدر درشتی کے ساتھ انکار کیا گیا۔ اس پر سید صاحب درگاہ شاہ عبد العظیم میں جو طہران کے قریب واقع ہے بست یعنی امان لیکر بیٹھ گئے۔ اور اس درگاہ میں جو بوجہ اپنے تقدس کے آمن ہونے کے لحاظ سے حرم کا حکم رکھتی ہے سات مہینے تک رہے۔ زمانہ قیام گاہ میں سید صاحب نے ناصر الدین شاہ کی کھلم کھلا مخالفت شروع کردی۔ تقریر و تحریر میں وہ شاہ کی بے عنوانیاں بیان کرتے رہے۔ اور اُس کی معزولی کے جواز کی تائید میں سلسلہ دلائل کو کبھی ٹوٹنے نہ دیا۔ بہت سے ایرانی جن میں ہر طبقہ و جماعت کے بااثر افراد شریک تھے اُن کے ہم خیال ہو گئے۔ یہ حالت دیکھکر ناصر الدین شاہ نے اُن کے ملک بدر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایران میں مقابر و معابد اور دیگر متبرک مقامات اور شاہی اصطبل اور توپخانہ سے بست کا خیال وابستہ ہے۔ جو مجرم یا مفرور کسی مقدس عمارت میں جا پناہ لے یا شاہی طویلے میں چلا جائے حتیٰ کہ شاہ یا شاہی خاندان کے کسی گھوڑے کی دُم کو چھولے۔ یا توپ خانہ کی حدود کے اندر داخل ہو جائے۔ وہ مامون و مصئون سمجھا جاتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اُس کو اُن حدود کے اندر ضرر پہنچا سکے۔ چنانچہ تاریخ ملکم میں ایک مقام پر لکھا ہے۔ کہ نادر شاہ کے پوتے نادر مرزا پر جس قدر مصیبتیں نازل ہوئیں۔ اُن کی

وجہ یہ تھی کہ اُس نے ایک مفرور کو جس نے شاہی اصطبل میں جا پناہ لی تھی مروا ڈالا تھا۔ درگاہ شاہ عبد العظیم میں سید جمال الدین اسی خیال سے بست نشین ہوئے تھے کہ اس کی مقدس چار دیواری میں کسی کو اُن سے متعرض ہونے کا حوصلہ نہ ہوگا۔ لیکن ناصر الدین شاہ کو اس درگاہ کی امان آفرین چار دیواری بھی اپنے فیصلہ کی تعمیل سے نہ روک سکی۔ اُس نے پانچ سو سواروں کا دستہ اس حکم کے ساتھ بھیجا کہ سید جمال الدین جس حال میں ہوں گرفتار کر کے ملک بدر کر دیئے جائیں۔ سید صاحب اس وقت بیماری کی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ شاہی کارندوں نے اس کا بھی لحاظ نہ کیا۔ اور اُنہیں بستر سے گھسیٹتے ہوئے درگاہ سے باہر لے آئے۔ اور ترکی سرحد پر لے جا کر چھوڑ دیا۔ ناصر الدین شاہ کے اس طرز عمل نے سید جمال الدین کے وسیع حلقہ احباب میں سخت برہمی پیدا کر دی۔ اور یہی طرز عمل آگے چل کر ۱۸۹۶ء میں شاہ موصوف کے قتل کا ایک بہت بڑا باعث ثابت ہوا۔ پس مقام تعجب نہیں اگر عوام ایران کا یہ خیال یقین کے درجہ تک پہنچ گیا ہو کہ ناصر الدین شاہ کو درگاہ شاہ عبد العظیم کی بے حرمتی کی پاداش میں یہ سزا ملی۔

ایران سے سید جمال الدین کا اخراج اواخر ۱۸۹۰ء میں ہوا۔ سال ڈیڑھ سال تک کا زمانہ اُنہوں نے سفر یورپ میں گزارا۔ کچھ عرصہ تک وہ لندن میں رہے جہاں اُنہوں نے ناصر الدین شاہ کی ظالمانہ حکومت کو اپنا موضوع قرار دیکر بہت سے جلسوں میں تقریریں کیں۔ اور متعدد مضامین شائع کیے جن میں شاہ موصوف پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کی گئی تھی۔ اور اُس کے صحیح الحواس ہونے تک میں شک ظاہر کیا گیا تھا۔

۱۸۹۲ء میں سید صاحب پھر قسطنطنیہ گئے جہاں اُنہوں نے اپنی عمر کے بقیہ پانچ سال گزارے۔ سلطان عبد الحمید خاں کے دل میں اُن کی بہت بڑی وقعت

تھی اور وہ سلطان کے مقربین خاص میں سے تھے۔ ایک دن سلطان المعظم نے سید صاحب سے فرمایا کہ سفیر ایران تین مرتبہ عرض کر چکا ہے کہ سید جمال الدین شاہ کجکلاہ پر سخت حملے کر رہے ہیں۔ اس کا سد باب ہونا چاہیئے۔ ہم نے دو دفعہ تو اُسے ٹالدیا لیکن تیسری دفعہ اُس سے وعدہ کیا کہ سید صاحب کی خدمت میں التماس کی جائیگی۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ اب اس بحث کے سر پر خاک ڈالیں۔ سید جمال الدین نے جواب دیا کہ جب خلیفۃ المسلمین ایسا ارشاد فرماتے ہیں۔ تو میں شاہ ایران کو معاف کرتا ہوں اس پر سلطان المعظم نے کہا کہ سید صاحب خفیقت یہ ہے کہ شاہِ کجکلاہ آپ سے بہت ہی خائف ہیں۔ یہ خوف جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا بے وجہ اور بے بنیاد نہ تھا۔

جب یکم مئی ۱۸۹۶ء کو ناصر الدین شاہ کے قتل کے واقعہ نے جو مرزا محمد رضا کرمانی کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا دُنیا کے پولیٹکل حلقوں میں ایک کھلبلی سی ڈال دی۔ تو اول اول حکومت ایران کو بابیوں پر شبہ ہوا لیکن بعد میں سید جمال الدین اور ان کے رفقا مرزا آقا خاں شیخ احمد کرمانی اور حاجی مرزا حسن خاں خبیر الملک مورد اشتباہ ہوئے چنانچہ دولت ایران نے بابعالی سے ان چاروں کی حوالگی کی درخواست کی۔ کسی قدر رد وقدح کے بعد آخر الذکر تینوں اشخاص تو ایرانی حکام کے حوالے کر دیئے اور تبریز میں ان تینوں کی خفیہ طور پر گردن ماردی گئی۔ لیکن سید جمال الدین کی تحویل سے سلطان عبدالحمید خاں نے انکار کیا۔ ناصر الدین شاہ کی مخالفت میں سید صاحب کا اس سرگرمی سے حصہ لینا اور جس شخص نے شاہ کو قتل کا اُس کا سید صاحب کے ہم خیالوں میں سے ہونا بجز اس کے کہ سید جمال الدین کو ایرانی حکام کی نظروں میں شاہ کے قتل کا محرک قرار

سے اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ گو سید صاحب ناصر الدین شاہ کو بہت برا سمجھتے تھے۔ اور اس کے دنیا سے اٹھ جانے پر اُن کو افسوس بھی نہیں ہوا پھر بھی یہ خیال کہ قتل اُن کے ایما سے ہوا اصلیت سے کوسوں دور ہے اور یہی وجہ تھی کہ بابعالی نے سید صاحب کو دولت ایران کے حوالے نہیں کیا۔ اس عدم حوالگی کی بڑی وجہ یہ تھی۔ کہ سید صاحب ایرانی رعایا نہ تھے بلکہ افغان نژاد تھے۔ اور اس کے علاوہ جب اُن پر قتل ناصر الدین شاہ کے جرم میں شریک و معین ہونے کا شبہ ہوا۔ تو ۵ مئی ۱۸۹۶ء کو وہ قسطنطنیہ میں گرفتار کئے گئے۔ اور یلدیز کوشک میں ایک خاص عدالت کے سامنے اُن کے اظہارات لے کر اُن پر جرح کی گئی۔ اس تحقیقات میں وہ بری الذمہ ثابت ہوئے۔ اور رہا کر دیئے گئے۔

۱۸۹۶ء میں سید جمال الدین مبتلائے مرض سرطان ہوئے جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو اٹھاون سال کی عمر میں اُن کی بے چین روح جو مسلمانوں کی ترقی اور اسلام کے عروج کی فکر میں ہر وقت غلطاں و پیچاں رہتی تھی جسم سے مفارقت اختیار کر کے رہگرائے دار القرار ہو گئی۔ اُن کا جنازہ نہایت دھوم دھام سے نکلا۔ اور وہ "شیخلر مزارلغی" (مزار شیخ) میں جو متصل نشان تاش واقع ہے دفن کئے گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

صاحب "مشاہیر الشرق" نے سید جمال الدین کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:۔
اُن کا رنگ حجازی عربوں کی طرح سانولا تھا۔ جسم دوہرا تھا۔ قوی مضبوط تھے۔ آنکھیں سیاہ اور چمکدار تھیں۔ دور کی چیز کو بوجہ نقص بصارت اچھی طرح نہ دیکھ سکتے تھے اور چونکہ عینک نہ لگاتے تھے لہذا پڑھتے وقت کتاب کو آنکھوں سے لگائے رکھتے

تھے اُن کے بال لمبے تھے اور لباس وہی پہنتے تھے جو عام طور پر قسطنطنیہ کے علماء استعمال کرتے ہیں کھانا کم کھاتے تھے اور دن میں عموماً ایک دفعہ سے زیادہ نہ کھاتے تھے لیکن چاء ایرانیوں کی طرح دن بھر پیتے رہتے تھے۔ تمباکو بھی بہت پیتے تھے اور اس میں یہ اہتمام تھا کہ اپنے پینے کا تمباکو خود خریدتے تھے۔ اکثر مشرقی سگرٹ پیا کرتے ہیں۔ لیکن وہ سگار کو سگرٹ پر ترجیح دیتے تھے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں جو انھوں نے قسطنطنیہ میں گزارے اُنھیں سلطان المعظم کی طرف سے ۷۵ پونڈ ماہوار کا وظیفہ ملتا تھا۔ نشان تاش میں ایک سجا سجایا مکان بھی سلطان نے اُن کی سکونت کے لئے مقرر کر دیا تھا اور اُن کی سواری کے لئے گاڑی اور گھوڑے بھی اصطبل سلطانی سے بھیجے جاتے تھے وہ بالعموم دن بھر مکان پر رہتے تھے۔ اور شام کے وقت گاڑی پر سوار ہو کر ہواخوری کے لئے کیا غید خانہ یا قسطنطنیہ کی کسی اور تفریح گاہ کی طرف چلے جاتے تھے وہ سوتے کم تھے اور دیر میں سو کر بہت سویرے اٹھتے تھے۔ جو شخص اُن سے ملنے جاتا عام اس سے کہ وہ ادنیٰ حیثیت کا ہو یا بہت ہی بڑا درجہ رکھتا ہو۔ اُس سے وہ بہ اخلاق و مہربانی پیش آتے تھے لیکن لوگوں کے مکان پر خصوصاً بڑے درجہ کے آدمیوں کے ہاں ملاقات کے لئے بہت کم جاتے تھے۔ تقریر اُن کی مؤثر و دلنشین اور فصیح و بلیغ ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ شستہ و پاکیزہ زبان استعمال کرتے تھے سوکیانہ و پیش پا افتادہ محاوروں سے بچتے تھے لیکن حتی الامکان کلم الناس علیٰ عقولہم کے اصول کو پیش نظر رکھتے تھے۔ تقریر کرنے کے فن میں اُنھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور مشرق بھر میں کم ایسے شخص ہوں گے جو اُن کی ٹکر کے ہوں۔ اُن کی انداز گفتار سے متانت اور تمکنت مترشح ہوتی تھی اور استہزا جو یاوہ گوئی سے وہ قطعاً ابا کرتے تھے۔ وہ تونگر تھے مگر اُن کی تونگری

کا سرمایہ قناعت تھی۔ دُنیا کے مال و متاع کی اُن کو بہت کم پرواہ تھی خطرے کے وقت وہ جری اور دلاور تھے۔ راستبازی اور شیریں اخلاقی اُن کے خمیر میں داخل تھی۔ اگرچہ مزاج اشتعال پذیر ضرور تھا۔ جس سے ملتے تھے جھک کر اور منکسر المزاج ہو کر ملتے تھے۔ لیکن بڑے آدمیوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ آزادی و استغنا کی شان لئے ہوئے ہوتا تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب وہ مصر سے نکالے گئے تو سوئز میں بحالت تہیدستی پہنچے ایرانی قونصل نے چند ایرانی سوداگروں کے ہمراہ جا کر اُنہیں کچھ روپیہ دینا چاہا اور کہا کہ اس ناچیز رقم کو یا تو بطور ہدیہ قبول کیجئے اور یا قرض سمجھ کر لے لیجئے لیکن اُنہوں نے یہ کہہ کر رقم کے لینے سے انکار کر دیا۔ کہ آپ اس روپیہ کو اپنے پاس ہی رکھئے۔ اس لئے کہ بہ نسبت میرے آپ اس کے زیادہ محتاج ہیں۔

تو باز باش کہ صید کے خوری و لقمہ دہی — طفیل خوارہ مشو چوں کلاغ بے پروبال

اُن کے قوائے عقلیہ وغیرہ حیرت انگیز تھے۔ جو لوگوں کے دل میں ہوتا تھا۔ ابھی وہ ظاہر بھی نہیں ہونے پاتا تھا۔ کہ اُن کی قوت انتقال ذہنی اُس پر حاوی ہو جاتی تھی۔ اُن کے کلام میں جادو کا سا اثر تھا۔ جو بات اُن کی زبان سے نکلتی تھی۔ وہ سُننے والے کے دل میں اُتر جاتی تھی۔ اُن کی معلومات نہایت وسیع تھیں۔ فلسفہ قدیم فلسفہ تاریخ۔ تاریخ اسلام۔ تمدن اسلام اور جملہ اسلامی علوم و فنون میں اُنہیں متبحرانہ دستگاہ حاصل تھی۔ وہ ہفت زبان تھے۔ عربی۔ ترکی۔ فارسی اور پشتو کے علاوہ جو گویا اُن کی مادری زبانیں تھیں۔ وہ انگریزی۔ روسی اور فرانسیسی زبانیں بھی جانتے تھے۔ فرانسیسی زبان اُنہوں نے تین مہینے میں اُستاد کی مدد کے بغیر اتنی سیکھ لی کہ پڑھنے اور ترجمہ کرنے کے قابل ہو گئے۔ مطالعہ میں اُن کا شغف حد درجہ تک پہنچا

ہُوا تھا خصوصاً عربی اور فارسی تصانیف تو اُن کی ہر وقت کی مونس و ہمدم تھیں۔ اُنہوں نے شادی عمر بھر نہ کی اور تمام عمر تجرد میں گزار دی۔

سید صاحب کی صورت و سیرت کی تصویر ان بلیغ لفظوں میں کھینچنے کے بعد جرجی زیدان اُن کی پولیٹیکل تمناؤں کو یوں ظاہر کرتا ہے:۔

سید جمال الدین کی زندگی کا نصب العین اور وہ مرکزی نقطہ جس کے گرد اُن کی اُمیدوں اور عمر بھر کی کوشش کی پرکار گھومتی رہی اتحاد اسلام اور ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کا قیام تھا۔ جو ایک خلیفۃ المسلمین کے ماتحت ہو۔ اس کوشش میں اُنہوں نے اپنی تمام طاقتیں صرف کر دیں۔ دُنیا کو چھوڑ دیا۔ شادی ترک کی اور کسب معاش کے لئے کوئی پیشہ اختیار نہ کیا۔ با ایں ہمہ وہ اپنی کوشش میں ناکام رہے۔ اور اپنے خیالات اور آرزوؤں کی کوئی تحریری یادگار بجز اُس کتاب کے جو اُنہوں نے ملاحدہ کی رد میں لکھی ہے۔ اور چند مختلف موضوع رسالجات اور مضامین کے نہیں چھوڑی لیکن اس میں شک نہیں کہ اُنہوں نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کے دلوں میں خیالات کی ایک نئی رَو دوڑا دی جس نے اُن کے قلم میں روانی اور اُن کے دماغ میں جولانی پیدا کر دی اس سے مشرق کچھ فائدہ تو اُٹھا چکا ہے اور کچھ اُٹھائے گا۔

سیّد صاحب کی حیرت انگیز شخصیت میں جو مقناطیسی بلکہ برقی اثر مضمر تھا اُس کا ادنےٰ تصور اس واقعہ سے ذہن میں آسکتا ہے۔ کہ باوجودیکہ وہ ایک سُنّی المذہب عالم تھے اور اس لحاظ سے ایران میں جو شیعیت کا گھر ہے اُن کا کوئی اثر نہ ہونا چاہئے تھا لیکن پھر بھی اُنہوں نے نہ صرف یہ کہ ایران کے عامۃ المسلمین

کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا اور ان میں اُن خیالات کی روح پھونک دی جنہوں نے چند ہی دنوں میں استبداد و شخصیت کا طبقہ اُلٹ دیا بلکہ علمائے کرام و مجتہدین عظام کو اتحاد بین المسلمین کی اصولی ضرورت سے آگاہ کر کے اپنا اس حد تک ہم خیال بنا لیا کہ جب ناصر الدین شاہ نے ایک انگریزی کمپنی کو تمباکو کا اجارہ دے دیا تو سید جمال الدین کے ایک خط سے متاثر ہو کر مجتہد اعظم حاجی میرزا حسن شیرازی نے اس مضمون کا فتویٰ جاری کر دیا کہ تاوقتیکہ اجارہ منسوخ نہ کر دیا جائے اہل ایران پر تمباکو پینا حرام ہے۔ المنار کے ایڈیٹر سید محمد رشید لکھتے ہیں۔ کہ اس خط نے جناب مجتہد اعظم کو جن کا روحانی اثر اہل ایران کے دل پر مستولی ہے ایثار نفس اور قومی جوش کی تصویر بنا دیا۔ چنانچہ آپ نے استعمال و کاشت تمباکو کی حرمت کے متعلق فتویٰ جاری فرما دیا۔ اور تمام علمائے ایران نے اپنے اپنے حلقہ اثر میں اس فتویٰ کو بجلی کی سی سرعت کے ساتھ نافذ کر دیا۔ لوگوں نے بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ چنانچہ جب تمام کو فتویٰ کی اشاعت طہران میں ہوئی۔ اُس کی دوسری صبح کو جب شاہ نے قلیاں مانگا تو اسے یہ جواب ملا کہ محل میں تمباکو کی ایک پتی بھی موجود نہیں۔ سب جلا ڈالا گیا۔ شاہ نے فرط استعجاب سے اُس کی وجہ دریافت کی تو خدام نے کہا کہ حضرت حجت اسلام حاجی مرزا حسن شیرازی مجتہد اعظم نے اس کے استعمال کے خلاف فتویٰ جاری فرما دیا ہے۔ شاہ نے جب پوچھا کہ پہلے میری اجازت اس بارے میں کیوں نہیں لی گئی۔ تو اُنہوں نے کہا کہ یہ ایک مذہبی معاملہ ہے اس میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد شاہ کو طوعاً و کرہاً اجارہ منسوخ کرنا پڑا اور انگریزی کمپنی کو پانچ لاکھ پاؤنڈ بطور تاوان دینے پڑے۔

پروفیسر براؤن سید جمال الدین کی زندگی پر ایک نظر غائر ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دنیائے اسلام کے واقعات پر بیس سال تک جو اثر عجیب و غریب شخص ڈالتا رہا اُس کے لحاظ سے غالباً اُس کا کوئی اسلامی معاصر اس کی برابری نہیں کر سکتا اُس کی مکمل سوانحعمری کے لکھے جانے کے یہ معنی ہوں گے کہ مسئلہ مشرقیہ کی زمانہ حال کی پوری تاریخ قلمبند کی جائے جس میں افغانستان اور ہندوستان کے تبصرہ کے علاوہ ٹرکی۔ مصر و ایران کے حالات پر نظر انتقاد ڈالی جائے جہاں اس کا اثر ابھی تک مختلف صورتوں میں بمنزلہ ایک زندہ طاقت کے ہے

پروفیسر براؤن کی استشراقی قابلیت مسلم الثبوت ہے۔ ایران کے لٹریچر اور پالیٹکس میں جو دستگاہ اُنہیں حاصل ہے۔ وہ بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے مصر اور ٹرکی کے معاملات پر بھی وہ اچھی رائے زنی کرنے کے اہل ہیں اور اس لحاظ سے اُن کا یہ دعویٰ کہ مصر۔ ٹرکی اور ایران میں سید جمال الدین کی قائم کی ہوئی تحریک زندہ صورت میں موجود ہے ہر طرح سے قابل تسلیم ہے لیکن مقام تعجب ہے۔ کہ باوجود اُن آسانیوں کے جو ایک ہمہ گیر پریس نے حصول معلومات کے متعلق آج کل ہم پہنچا رکھی ہیں۔ پروفیسر ممدوح ہندوستان کے حالات سے یہاں تک بے خبر ہیں کہ وہ یہاں کے مسلمانوں کی بیداری کو بلحاظ اس بیداری کی خاص نوعیت کے سید جمال الدین کی تحریک سے منسوب کرتے ہیں۔ انتزاع دولت مغلیہ کے بعد دولت و اقبال اور علم و فضل کا مسلمانان ہند کو جواب دے جانا۔ افلاس و جہالت اور ذلت و ادبار کی تیرہ و تار گھٹاؤں کا چاروں طرف سے اُمنڈ اُمنڈ کر اُن کو چھپا لینا۔ اُن کے امراء کی وارستہ مزاجی اُن کے علماء کی بے راہروی اُن کے خاص

کی بے صبری اُن کے عوام کی بے خبری کا اغیار و جوانب کے نزدیک ناقابل اصلاح ٹھیرنا اس یاس آفرین حالت میں یکایک رحمت حق کو حرکت ہونا اور اس رحمت کا حضور رحمۃ للعالمینؐ کی آل اطہر کے برگزیدہ فرد یعنی سید احمد خاں کی شکل میں ظاہر ہونا سید احمد خاں کا اپنے آنسوؤں سے اپنی قوم کے اس باغ کو جس میں سات کروڑ خزاں رسیدہ پودے پڑے ٹھٹھر رہے تھے سینچنا۔ اس کی آبیاری سے باغ میں پھر بہار آنا۔ جہالت و اوہام پرستی کے وَل بادل کا چھٹنا اُس متعصبانہ مغائرت کا جو عیسائی حاکموں اور مسلمان محکوموں کے درمیان چلی آتی تھی گھٹنا۔ مسلمانوں کا اس سچے یقین کے ساتھ کہ ہندوستان کی حدود کے اندر اُنہیں اپنے پولٹیکل تفوق کے احیا کی ضرورت نہیں ہے۔ انگریزوں کے ساتھ اتحاد و یکجہتی کے عقیدتمندانہ تعلقات کر لینا۔ اُن تعلقات کے استحکام میں انگریزوں کے اُس طرز عمل کا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو انتظام حکومت میں خاص خاص مراعات کے ساتھ شریک کر لیا ہے حصہ لینا۔ اور اس طور پر دنیائے اسلام کے ہندوستانی خطہ میں بجائے اس کے کہ مسلمان اپنے سیاسی کھنڈرات پر ایک خالص اسلامی محل از سرِ نو تعمیر کرنا چاہیں اُن کا ایک اینگلو مسلم محل کی تعمیر میں مصروف ہو جانا۔ کیا یہ تمام واقعات پروفیسر براؤن تک نہیں پہنچے اور کیا یہ سید جمال الدین کے سانچے میں ڈھلے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جس شخص نے جگایا اُنہیں حضیض ملت سے نکال کر اوج عزت پر جس شخص کی مساعی جمیلہ نے پہنچایا وہ سید احمد خاں ہے۔ جو اپنی زبردست شخصیت اور حیرت انگیز قابلیت دل و دماغ کے لحاظ سے کسی طرح سید جمال الدین سے کم نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ کئی

ایک اعتبار سے اُس پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔

بہرحال ہندستان سے اگر ہم قطع نظر کریں۔ تو اس میں ذرا شک نہیں کہ اسلامی دنیا کا باقی اکثر حصہ سید جمال الدین کی کوششوں کا رہین منت ہے جنہوں نے جمود و غفلت کے طلسم کو توڑ کر موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے مسلمانوں میں بیداری کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اور پروفیسر براؤن نے ذیل کے بلیغ الفاظ میں جو رائے سید صاحب کی نسبت ظاہر کی ہے وہ حقیقت کی تصویر ہے:۔

مبداء فیاض نے اُس کے دل و دماغ میں حیرت انگیز قابلیتیں ودیعت کی تھیں۔ اس کی ساری عمر خانہ بدوشی میں گزری اور بجز فصاحت تقریر اور بلاغت تحریر کے جس میں تبحر علمی اور وسعت معلومات دینی و دنیوی نے اسلامی درد کے ساتھ مل کر ایک اعجاز آفرین کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اُس کے پاس کوئی طاقت نہ تھی لیکن اس طاقت کا یہ اثر تھا کہ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے لرزتے تھے۔ اُن قوتوں کو حرکت میں لا کر جو اس کے اشارہ پر چلتی تھیں اور جن پر یورپ اور ایشیا کے ارباب تدبر قابو نہ پا سکے اُس نے فن سیاست کے ماہروں کے بڑے بڑے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا مصری وطن پرستوں کی تحریک اُسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اگرچہ ۱۸۹۲ء میں اس تحریک کے علمبرداروں کو شکست ہوئی۔

اب بھی اس خاک میں تھوڑے سے شرر ہیں پنہاں

ایران کی دستوری تحریک کا بانی مبانی بھی اسی کو قرار دیا جا سکتا ہے اُس نے دول اسلامی کو اُن خطرات سے آگاہ کیا جو قضائے مبرم کی طرح ان کے سروں پر سوار ہیں۔ اور اُن کو بتا دیا کہ دول یورپ کی مسلسل اور غاصبانہ دست اندازیوں کا

توڑ کرنے کے لئے اُن میں باہمی اتحاد کا ہونا لازمی ہے۔ مسلمانوں کی چند خود مختارانہ حکومتیں یعنی ٹرکی۔ ایران اور مراکو جو دستبرد روزگار سے اب تک بچی ہوئی ہیں دول یورپ کی انفرادی یا اجتماعی دراندازیوں سے خطرہ میں ہیں اور یہ خطرہ انہیں بتدریج اُس اتحاد پر مجبور کر رہا ہے۔ جسے پان اسلامزم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سچ پوچھا جائے تو پان اسلامزم کا خیال سید جمال الدین کا ہی پیدا کیا ہوا ہے اگر کوئی اسلامی فرمانروا اُس شخص کو ایسا ہاتھ آجاتا جو اُس تمناؤں اور آرزوؤں کا پورا پورا احساس کر سکتا۔ اور جوش سلامی و مودت قومی کے جذبات سے اس حد تک متاثر ہوتا کہ ان آرزوؤں کو قوت سے فعل میں لا سکتا۔ تو سید جمال الدین بہت بڑا کام کر گیا ہوتا۔ ناصر الدین شاہ نے جو خود غرضی استبداد اور مطلق العنانی کا جیتا جاگتا مرقع تھا۔ کچھ دن کے تجربہ میں اُسے مایوس کر دیا۔ البتہ سلطان عبد الحمید خاں کی ذات کے ساتھ اُس کی بہت سی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ چنانچہ اُس نے عملی طور پر ایک نئی تحریک کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھوں سے رکھا۔ جو ابھی تک بہت سے ذی اثر ایرانیوں کی مطمح نظر ہے۔ اس تحریک کا منشاء یہ ہے۔ کہ ترکی سنیوں اور ایرانی شیعوں میں اس سمجھوتے کے ساتھ باہمی اتحاد قائم ہو جائے کہ ایرانی سلطان ٹرکی کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیں۔ اور ترک شاہ ایران کو شیعوں کا مقتدا مان لیں۔ اور دونوں فریق اُن خاص خاص دل آزار باتوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے سید جمال الدین پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار اتھی کہ دونوں سلطنتوں کو ایک ہی قسم کے خطرات کا سامنا ہے۔ اور اُن کی خیر اسی میں ہے

کہ بجائے ایک دوسرے پر زہر اُگلنے اور باہم دست وگریبان ہونے کے وہ اپنی متحدہ طاقت کو اُس حریف کے خلاف عمل میں جو دونوں کا یکساں دشمن ہے اس حقیقت کا ادراک اگر سُنّی شیعی دنیا نے کر لیا تو کوئی دن جاتا ہے کہ دُنیا سیّد جمال الدین کی عمر بھر کی محنت ٹھکانے لگی ہوئی دیکھے گی۔

یاسمین شام توحید۔ عیسائیت کی معرکہ آرائیوں کی کیفیت فتح شام مسلمانوں کی شجاعت۔ نصرانیوں کی عبرت انگیز فراری وشکست کا خاکہ نہایت دلچسپ پیرایہ میں کھینچا گیا ہے قیمت فی جلد ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ/)

عروس کربلا مولٰنا راشد الخیری (مصور غم) کی تمام کتابوں میں بلحاظ درد واثر کے ممتاز ہے۔ کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم درد انگیز نہیں اس پر مولٰنا راشد الخیری کے قلم نے قیامت ڈھا دی ہے۔ مصر کے مشہور عیسائی مصنف جرجی زیدان نے جو معرکۂ کربلا کے حالات ناول کے پیرایہ میں بیان کیئے ہیں اور جس کا ترجمہ لکھنؤ کے کسی بزرگ نے کیا ہے۔ یہ کتاب اس کا مدمقابل ہے سونے کے ساتھ تولنے کے قابل ہے قیمت فی جلد ایک روپیہ آٹھ آنے عہ/

جوہر قدامت دو بہنوں کی پُر لطف کہانی۔ دو لڑکیوں کی پُر لطف زندگی۔ اور دو عورتوں کی جگر خراش داستان ہے جن میں سے ایک دور جہالت کی درخشندہ تصویر اور دوسری طرز جدید کی فیدا۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ عالم نسواں آج سے ۵۰ سال پہلے کیا جوہر رکھتا تھا قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ عہ/

ملنے کا پتہ:۔ **مینجر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات**

۲۳۷۹
۳۲۵۲

سید جمال الدین افغان

۲۲۷۹

زمانہ حال کے سیاسی

لیڈروں کے حالات کا سلسلہ

سید جمال الدین افغان رحمۃ اللہ علیہ

کے حالات زندگی

مرتبہ

شہید ملت مولینا ظفر علیخاں صاحب بی۔ اے علیگ (ایڈیٹر زمیندار)

زیر اہتمام کارخانہ صوفی آبِ حیات

مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور بکی دروازہ

باہتمام حافظ مظفر الدین صاحب طبع شد

مشاہیر ہند

ملک ہند کے قابل ترین فرزندوں ملک کے مایۂ ناز لیڈروں ہندوستان کے باعث فخر رہنماؤں کے حالات زندگی۔ مہاتما گاندھی۔ پنڈت مالویہ۔ مسٹر تلک۔ ابوالکلام آزاد بدرالدین طیب جی۔ دادا بھائی نوروجی۔ بلبل ہند مسز سروجنی نیڈو۔ سر رابندر ناتھ ٹیگور مسٹر بنرجی۔ محب وطن مسٹر گوکھلے۔ فنافی القوم مسٹر محمد علی اور دیگر خدام ملک سوانحمری۔ اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب۔ ملک کا کوئی گھر اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہئے

قیمت مجلد (عہ) بلا جلد تین روپے

سیرۃ بلال رضؓ

یہ اُس حبشی غلام کے حالات میں ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اثر صحبت سے اس درجہ تک پہنچا جس کے حصول میں لاکھوں بندگان خدا ناکام رہے ہیں۔ زمیندار کے سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر سید وجاہت حسین صاحب وجاہت کے زور قلم کا نتیجہ ہے مولینا نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ بجز وضو کئے انہوں نے کتاب کا ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ شہر دمشق کا ایک مفصل سلمی خاکہ جہاں آپکا مزار پرُ انوار واقع ہے اور نیز مزار کا فوٹو کتاب کے ساتھ ہیں۔ ولایتی کاغذ اور ولایتی کپڑے کی جلد ہے قیمت باوجود اسقدر اہتمام کے صرف مجلد (عہ) بلا جلد (عہ)

شمس تبریز۔ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات۔ قیمت چھ آنے (۶؍)

سیرۃ نعمان۔ یعنی امام اعظم نعمان بن ثابت کے حالات زندگی۔ قیمت چار آنے (۴؍)

ملنے کا پتہ: مینیجر کارخانہ صوفی آبحیات منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب

خرید کردہ وقف از زر عطیہ سید ابرار حسین صاحب مختار رئیس جھوری
قیمت مع محصول ۳؎ بذریعہ رسید نمبر ۵۰۶ — ۲۲ مئی سنہ ۲۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیّد محمد جمال الدین الافغان رحمۃ اللہ علیہ

یورپ کو اگرچہ فطرت انسانی کے ماہر اور حقایق نفس الامری کے نقاد ہونے کا بہت بڑا دعویٰ ہے لیکن پھر بھی وہاں کے دانش پژوہوں میں ہمیں ایسے اشخاص بکثرت نظر آتے ہیں جو صورت کو معنی پر ترجیح دیکر واقعات کی طرف سے تو آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں اور اپنے پولٹیکل دستور العمل کو مرتب کرتے وقت عمداً یا سہواً الفاظ کے گورکھ دھندے میں اُلجھ کر رہجاتے ہیں۔ اسلامی اخوت ایک سیدھا سادھا جملہ ہے جس کے مفہوم میں برادرانہ یکجہتی اور باہمی ہمدردی وغمگساری کے وہ عمرانی اصول داخل ہیں جن کو دنیا کا کوئی اخلاقی فلسفہ مذموم وناروا نہیں قرار دے سکتا۔ لیکن یورپ کے اہل قلم جن کے خیالات پر قسیسیت کا روغن چڑھا ہوا ہے اس کا ترجمہ "پان اسلامزم" کرتے ہیں اور یہ وہ نام ہے جس کے سنتے ہی مسیحیت کے پردہ تصور پر مجاہدانہ جوش اور کورانہ تعصب کی تصویر اُتر آتی ہے "زرد خطرے" اور "کالے خطرے" کے جملوں کی طرح جو چین وافریقہ کا شیرازہ بکھیرنے کیلئے وضع کئے گئے تھے "پان اسلامزم" یعنے "اسلامی خطرے" کی اصطلاح کی ایجاد کی غایت یہ تھی کہ دنیا کی رہی سہی

آزاد و خود مختار اسلامی طاقتوں کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے تاکہ ربع مسکوں پر تثلیث کا واحد علم لہراتا ہوا نظر آتے اور مسیحیت صبح و سا نقارہ انا ولا غیری بجایا کرے ورنہ اس اصطلاح کے موجدوں کو خود اچھی طرح معلوم ہے کہ "پان اسلامزم" اگر اس کا وجود دنیا میں کہیں ہے بھی تو بجز اس کے اور کوئی مقصد نہیں رکھتی کہ مسلمانوں کی موجودہ خود مختارانہ حیثیت کو بلا مزید قطع و برید کے برقرار رہنے دیا جائے بہ الفاظ دیگر مسلمانوں کو دوسروں کے پلاؤ قلیے سے غرض نہیں۔ اُن کی تمنا فقط اتنی ہے کہ اُن کا دال دلیہ جس سے وہ اتحاد جسم و روح قائم رکھ سکیں اُن سے نہ چھینا جائے۔ اگر اس تمنا کو قوت سے فعل میں لانا "پان اسلامزم" ہے۔ تب تو وہ تحریک در حقیقت موجود ہے اور اُس کی نشانیاں ہمیں افغانستان ایران ٹرکی اور مراکو میں نظر آرہی ہیں۔ جنہوں نے یورپین طاقتوں کے طرز عمل اور واقعات کی موجودہ روش کو دیکھ کر اپنے مشترک خطرے کا احساس کرتے ہوئے بجز برادرانہ اتحاد کے اور کوئی چارہ نہ دیکھا ورنہ اس تحریک کی حقیقت ایک کابوس خیالی سے زیادہ نہیں جسے یورپ نے جان بوجھ کر اپنی غاصبانہ پیش قدمی۔ اور متعدیانہ دراز دستی کے سینے پر اہل مشرق کا منہ چڑانے کے لئے بٹھا دیا ہے +

اسلامی اخوت جس کا فقدان دنیائے اسلام کے موجودہ افسوسناک انحطاط کا ذمہ وار ہے۔ وہ روشن اصول ہے جو مہاجرین و انصار کے مواخات کی مبارک رسم کی انجام دہی کے وقت سے لے کر اب تک ہر اُس مسلمان کا نصب العین بنا رہا ہے جس کے دل کو مبداء فیاض نے درد قومی عطا کیا ہو۔ اور چونکہ سرمایہ درد قومی کا سب سے بڑا خازن وہ واجب التعظیم طبقہ ہے۔ جسے حضور سرور کون و مکان

کی بارگاہ سے انبیائے بنی اسرائیل کی ہم پائگی کا درجہ عطا ہو چکا ہے۔لہذا کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں کسی مجدّد وقت عالم نے مسلمانوں کی پستی کو محسوس کر کے اُن کی شیرازہ بندی کی کوشش نہ کی ہو۔ اور اُن میں وہ روح نہ پھونکنی چاہی ہو۔ جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے جسم میں حلول کئے ہوئے تھی۔

سیّد محمّد جمال الدین نور اللہ مرقدہ جن کے حالات ہم ذیل میں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اپنے وقت کے ایک ایسے ہی مجدّد تھے۔ جو راعیِ عرب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گلّے کی تتر بتر بھیڑوں کو ایک جگہ جمع کرنے کے لئے انیسویں صدی کے نصف آخر میں جبکہ دنیائے اسلام منتہائے ذلت کو پہنچ گئی تھی۔ منجانب اللہ مامور ہوئے۔ افغانستان۔ ایران۔ مصر اور ٹرکی اس عجیب و غریب شخص کے فیضان سے یکساں بہرہ اندوز ہیں لیکن اُس کا سب سے بڑا احسان ایران پر ہے۔ جس کے منقل جان میں وہ چنگاری ڈال کر جو ۱۹۰۶ء میں شعلہ انقلاب بن کر لپکی اُس نے حیرت مساوات اور دستوری حکومت کے خیالات ملک میں پھیلا دیئے۔ روس ان خیالات کو دبانا چاہتا ہے۔ انگلستان روس کے دم جھانسے میں آکر اُس جد و جہد کو جو ایرانی اپنی قسمت کی گرہ کو اپنی انگلیوں سے کھولنے کے لئے عمل میں لا رہے ہیں۔ غیر ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ جرمنی اپنا الوان دونوں حریفوں کو جل دے کر الگ سیدھا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن کیا وہ سلطنت تین ہزار سال تک یونانیوں۔ پارتھیوں۔ عربوں۔ مغلوں۔ تاتاریوں۔ ترکوں اور افغانوں کا پیہم تختہ مشق بنی رہنے پر بھی ہر بیرونی دستبرد کے بعد ققنس کی طرح اپنی راکھ میں سے نئے پر و بال لے کر پیدا ہوتی چلی آئی ہو آج مٹ سکتی ہے؟

کیا وہ خطہ جس کی خاک سے مانی و زردشت۔ رستم و افراسیاب۔ عبداللہ ابن میمون و حسن ابن صباح۔ فارابی و بوعلی سینا۔ فردوسی و نظامی۔ سعدی و حافظ نے پیدا ہو کر انسان کے لئے مذہبی۔ عقلی۔ اخلاقی اور تخیلی ادراکات کا اچھوتا سرمایہ چھوڑا ہو۔ اس قابل ہے کہ میٹ دیا جائے۔ کیا اُس سرزمین سے جس کی ذہانت آفرینیاں صوفیوں اسماعیلیوں۔ شیعوں۔ حروفیوں اور بابیوں کے جانبازانہ و فدائیانہ معتقدات کا سرمایہ بن کر ایسے ایسے انقلابات برپا کرتی چلی آئی ہوں جن کی نظیر کوئی دوسرا ملک نہیں پیش کر سکتا۔ اپنے آپ کو اغیار و اجانب کی دستبرد سے بچانے کی قابلیت چھین لی گئی ہے۔ کیا وہ ملک جس کے لٹریچر کی رنگینیاں آدھے ایشیا کی تخییل کا عنصر غالب ہوں۔ اور جس کی تہذیب بزم عالم کی شمع کا فانوس ہو۔ دنیا کے دل منت پذیر کا گوشہ گیر نہیں ہو سکتا؟

انصاف پسند دل مرزا آقا خاں کرمانی کے ہم آہنگ ہو کر پکار اُٹھیں گے :۔

به ایراں مبادا آنچناں روز بد | که کشور به بیگانگاں اوفتد
نخواہم زمانے که ایں نو عروس | بیفتد بزیر جوانانِ روس
الٰہی مباد آنکه ایں حورِ ویش | شود ہمسر۔ لُردے (لارڈے) از انگلیش

روس۔ جرمنی اور دوسری یورپین طاقتوں کے اُس شکار سے تو ہمیں بحث نہیں جو تہذیب و شائستگی کی ٹٹی کی آڑ میں کھیلا جا رہا ہے۔ وہ اگر اپنا ضمیر بیچنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اور اپنی کشور کشایانہ خواہشوں کی قربانگاہ پر دنیا کی کمزور اور ناتوان قوموں کو بھینٹ چڑھائے بغیر مانتی ہی نہیں۔ تو خداوند عالم بشرطیکہ وہ موجود ہے۔ اور ضرور موجود ہے۔ ایک نہ ایک دن اُن سے سمجھ لیگا۔ اور وہ اس

طرح برباد ہوں گی کہ اُن کا نشان تک باقی نہ رہے گا۔ لیکن ہمارا دل دُکھتا ہے۔ جب انگلستان پر جس کی بقا کے ساتھ ہماری بقا اور جس کی طاقت کے ساتھ ہماری سلامتی وابستہ ہے۔ جس کی عظمت کا محل ہماری عقیدت کی بنیاد پر قائم ہے۔ دُنیا اُسی قسم کے اعتراض کرتی ہے۔ جیسے وحشی یا بے اصول جرمنی پر کئے جاتے ہیں ہم سات کروڑ مسلمانان ہند جو سلطنت برطانیہ کی پولٹیکل ہیئت ترکیبی کا جزو لاینفک ہیں اور جن کا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے لئے انگریزی حکومت کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی جسم کے لئے جان کی اس بات کے ہرگز روادار نہیں ہو سکتے کہ انگلستان سے کوئی ایسی لغزش سرزد ہو جس کا خمیازہ اُس کے ساتھ نہ صرف ہمیں بلکہ کل ہندوستان کو کھینچنا پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نہیں چاہتے کہ وہ ایران میں وہی پالیسی اختیار کرے جو روس نے اختیار کر رکھی ہے۔ اس لئے کہ اس پالیسی کا لازمی نتیجہ ایک دن یہ ہوگا۔ کہ جنوبی ایران کے ہندوستان میں ضم ہو جانے سے ہندوستان کا ڈانڈا روس سے جا ملے گا۔ اور اس طور پر جو خطرات پیدا ہو جائیں گے۔ وہ اُن لوگوں سے مخفی نہیں جو روس کی عظیم الشان جنگی قوت اور اُس کے مقابلہ میں ہندوستان کی فوجی کمزوری سے واقف ہونے کے ساتھ ہی اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ نقض عہد یورپین طاقتوں کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے اور روس کو تو اس فن میں یدطولیٰ حاصل ہے ٭

یہ بحث بیچ میں بر سبیل استطراد آ گئی تھی۔ اب ہم اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جس کا ماخذ پروفیسر براؤن کی وہ دل کشا اور دل آرا تصنیف ہے جو ایران کے پولٹیکل انقلاب کے متعلق اُنہوں نے حال ہی میں شائع کی ہے۔

پروفیسر براؤن کو ایران اور ایرانیوں سے ایک خاص اُلفت ہے۔ اور جن لوگوں نے اُن کی کتاب "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" پڑھی ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ اُلفت اُن کے دل میں کیوں گھر کئے ہوئے ہے۔ جس شخص نے تیس سال فارسی لٹریچر کے مطالعہ اور اس کی تنقید میں گزارے ہوں۔ اور جسے اسلامی تمدن کی تصویر کے روشن رخ دیکھنے کا بار بار موقع ملا ہو اُسے بھلا کیوں کر نہ ایران سے محبت ہو۔ اس محبت کا حق اُنہوں نے "انقلاب ایران" لکھ کر ادا کیا ہے۔ اور جیسا کہ اُن کا بیان ہے اس کتاب کے لکھنے سے اُن کا یہ مقصود ہے۔ کہ اُن غلط فہمیوں کو جو انگلستان میں ایرانیوں کی طرف سے پیدا ہو گئی ہیں۔ دور کریں۔ اور اپنے ہموطنوں کے دل میں ہمدردی کا وہ جذبہ پیدا کریں جس کا ایران کو انگلستان پر حق ہے۔

پروفیسر براؤن لکھتے ہیں۔ کہ یہ مسئلہ ابھی تک بحث طلب ہے۔ کہ آیا بڑے آدمی بڑے واقعات کے ظہور پذیر ہونے کا باعث ہوتے ہیں۔ یا بڑے واقعات خود بڑے آدمیوں کو پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ اِن دونوں کا وجود لازم ہے۔ مسلمانوں کی آزادی اور اُن کے باہمی اتحاد کی اس عظیم الشان تحریک میں جس کے اثرات سے خصوصیت کے ساتھ ایران و ٹرکی میں نمودار ہیں۔ کسی نے ایسا نمایاں حصہ نہیں لیا جیسا سید جمال الدین نے جن کی زبردست شخصیت متبحرانہ فضیلت۔ متہورانہ جرأت۔ آن تھک مستعدی۔ فصاحت تقریر۔ بلاغت تحریر اور شاندار شکل و صورت بتائے دیتی تھی۔ کہ وہ بہت بڑے مشاہیر روزگار میں سے ہیں۔ یہ جامع حیثیات شخص فلسفی۔ مصنف۔ خطیب۔ اخبار نویس اور مدبر سبھی کچھ تھا۔ جو لوگ اُس کے موافق تھے۔ اُسے بہت بڑا محب وطن جانتے تھے۔ اور

جو اُس کے مخالف تھے۔ اُسے ایک خطرناک مفسد پرداز سمجھتے تھے اُس نے وقتاً فوقتاً اکثر اسلامی ممالک اور یورپ کے متعدد پایہ تختوں کا سفر کیا۔ اور اپنے وقت کے بہت سے سربرآوردہ مشرقیوں اور مغربیوں سے مل کر اُن میں بعض کو اپنا دوست اور اکثر کو اپنا دشمن بنایا۔

سید محمد جمال الدین موضع اسعد آباد میں جو کنار کے متصل مضافات کابل سے ہے ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام سید صفدر تھا جو حسینی سید تھے۔ اور اپنا سلسلہ نسب مشہور و معروف محدث سید علی الترمذی کی وساطت سے حضرت شہید کربلا سے جا ملاتے تھے۔ ابھی وہ بچہ ہی تھے کہ اُن کے والد نے کابل میں جا کر اقامت اختیار کر لی۔ بچپن ہی سے اُن میں غیر معمولی ذکاوت و ذہانت کے آثار پائے جاتے تھے۔ اور جب اُن کا سن آٹھ سال کا ہوا تو سید صفدر نے اپنے ہونہار بیٹے کی معلمی کی خدمت خود انجام دینی شروع کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ فارغ التحصیل ہو گئے۔ اور نحو۔ بلاغت۔ تاریخ۔ فقہ۔ منطق۔ تصوف۔ فلسفہ طبیعات۔ مابعد الطبیعات۔ ریاضی۔ ہیئت۔ طب۔ تشریح ابدان وغیرہ کل اسلامی علوم و فنون میں اُنہوں نے منتہیانہ استعداد بہم پہنچائی۔

اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ہندوستان آئے۔ اور یہاں ایک سال کئی مہینے رہ کر علوم مغربیہ میں کچھ دستگاہ حاصل کی۔ اُس کے بعد وہ بعزم حج بیت اللہ شریف کو روانہ ہوئے۔ اور راستہ میں مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء میں مکہ معظمہ پہنچے۔ حج سے فارغ ہو کر اُنہوں نے اپنے وطن کو مراجعت کی۔ اور امیر دوست محمد خاں کے دائرہ ملازمت میں داخل ہو کر امیر موصوف کے

ہمراہ مہم ہرات پر گئے۔ جس پر امیر کے ابن عم اور داماد سلطان احمد شاہ کا قبضہ تھا۔

امیر دوست محمد خاں کا ۱۲۸۰ھ ر ۱۸۶۳ء میں انتقال ہوگیا۔ اور اُس کی جگہ امیر شیر علی خاں مسند نشین ہُوا۔ نئے امیر نے اپنے وزیر محمد رفیق خاں کی صلاح پر عمل کر اپنے تین بھائیوں محمد اعظم۔ محمد اسلم اور محمد امین کو قید کر دینا چاہا جن میں سے اول الذکر کی ملازمت بسید جمال الدین نے اختیار کر لی تھی۔ تینوں بھائی اُس منصوبے سے آگاہ ہوکر اپنے اپنے صوبے کو بھاگ گئے۔ اور خانہ جنگی شروع ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد اعظم اور اُس کے بھتیجے عبد الرحمٰن خاں (سابق امیر افغانستان) نے پایہ تخت پر قبضہ کر لیا اور عبد الرحمٰن خاں کے والد محمد افضل کو جو غزنی میں قید تھا رہا کر کے تخت پر بٹھا دیا لیکن محمد افضل ایک سال کے بعد راہیٔ منزل باقی ہو گیا۔ اور اُس کی جگہ محمد اعظم تخت نشین ہوا۔ جس نے سید جمال الدین کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ محمد اعظم اگر اپنے وزیر باتدبیر کے کہے پر چلتا تو کل ملک اُسکے قبضے میں آجاتا لیکن چونکہ وہ اپنے تمام رشتہ داروں کو حسد اور رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اور بجز اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کے جسے ملک داری کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ کسی کو ذمہ داری کی کوئی خدمت نہ دینا چاہتا تھا۔ لہذا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا

امیر شیر علی خاں ابھی تک قندھار پر قابض تھا۔ محمد اعظم کے ایک بیٹے نے اس خیال سے کہ شجاعت کا کوئی کارنامہ دکھا کر باپ کے دل میں گھر کرلے چچا پر حملہ کیا۔ لیکن چونکہ ناتجربہ کار تھا۔ اس لئے دو سو جوانوں کے ساتھ اپنی فوج سے الگ ہوکر آگے بڑھا۔ اور شیر علی خاں کے ایک سردار یعقوب خاں کے قابو

میں آگیا۔ اس کامیابی نے شیر علی خاں کی ہمت بڑھادی۔ چنانچہ اُس نے سلسلۂ جنگ و جدل کو پوری سرگرمی کے ساتھ ازسرنو چھیڑ دیا۔ اور انگریزوں کی مدد سے جنہوں نے روپیہ سے اُس کی خاطر خواہ مدد کی۔ وہ بالآخر اپنے بھائی محمد اعظم خاں اور بھتیجے عبدالرحمٰن خاں کی متفقہ قوتوں پر غالب آیا۔ شکست کھاکر محمد اعظم خاں نے تو نیشاپور کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ جہاں چند مہینے کے بعد اُس کا انتقال ہوگیا۔ اور عبدالرحمٰن خاں بخارا کو چلا گیا +

سید جمال الدین اس انقلاب کے بعد بھی بدستور کابل میں مقیم رہے۔ اور چونکہ سیّد تھے اور لوگ اُن کو مانتے تھے۔ اس لئے شیر علی خاں کے انتقام سے محفوظ رہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد اُنہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی۔ کہ افغانستان سے چلے جائیں۔ چنانچہ اُنہوں نے حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کی اجازت امیر سے مانگی۔ امیر کو چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ مبادا وہ اپنے سابق ولی نعمت محمد اعظم سے مل کر فتنہ و فساد برپا کریں۔ لہٰذا حج کرنے کی اجازت اُن کو اس شرط سے دی گئی کہ وہ ایرانی علاقہ میں سے نہ گزریں۔ غرض سید صاحب ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ء) میں براہِ ہندوستان مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ گورنمنٹ ہند نے اُن کی بڑی آؤ بھگت کی لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا۔ کہ وہ سربرآوردہ مسلمانوں سے بلا کسی انگریزی عہدہ دار کی نگرانی کے ملنے نہ پائیں۔ اور ایک مہینہ کے بعد اپنے ایک جہاز پر سوار کرا کے بہ اعزاز تمام سوئز کو روانہ کر دیا۔ سوئز سے وہ قاہرہ گئے۔ اور چالیس روز وہاں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں وہ برابر جامعہ ازہر کو جاتے رہے۔ اور وہاں کے اساتذہ و تلامذہ سے علمی مباحث

پر گفتگو کرتے رہے۔ اور اپنے مکان پر چند خاص لوگوں کو درس بھی دیتے رہے۔
قاہرہ سے سید جمال الدین کا قصد مکہ معظمہ جانے کا تھا لیکن اس قصد کو ملتوی کر کے وہ سیدھے قسطنطنیہ چلے گئے۔ جہاں ہز ہائینس علی پاشا وزیر اعظم اور دار الخلافہ کے دوسرے اکابر و اعیان نے اُن کا نہایت تپاک سے خیر مقدم کیا۔ چھ مہینے تک قسطنطنیہ میں مقیم رہنے کے بعد وہ انجمن دانش کے رکن مقرر کئے گئے۔ جو فرینچ اکاڈمی کی طرح ترکوں کی قومی مجلس علوم و فنون ہے۔ اور ماہ رمضان ۱۲۸۷ھ دسمبر ۱۸۷۰ء میں دار الفنون یعنی عثمانی یورسٹی کے ناظم اعلیٰ تحسین آفندی نے اُن سے استدعا کی کہ طلبا کو ایک لکچر دیں۔ پہلے تو انھوں نے اس بنا پر معذرت کی کہ ترکی زبان میں اُنھیں کامل مہارت حاصل نہیں ہے۔ لیکن بالآخر رضامند ہو گئے۔ انھوں نے اپنی تقریر ترکی زبان میں قلمبند کر کے صفوت پاشا وزیر سررشتہ تعلیمات اور شروانی زادے وزیر سررشتہ پولیس اور منیف پاشا کو دکھالی۔ اور اُن سب نے اُسے پسند کیا۔ لیکن شیخ الاسلام حسن فہمی آفندی سید صاحب کو بنگاہِ حسد دیکھتا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اُن کے روز افزوں رسوخ و اثر کو کسی طرح صدمہ پہنچائے۔ جب سید صاحب نے اپنی تقریر اعیان و اکابر پایہ تخت کے بھرے مجمع کے سامنے جس میں بہت سے سربرآوردہ عثمانی ارکان دولت اور اخبار نویس اور ارباب فضل و کمال شریک تھے۔ پڑھنی شروع کی تو حسن فہمی آفندی اس تاک میں تھا کہ کوئی فقرہ اس تقریر میں ایسا ہاتھ آجائے جس سے مقرر کے عقاید کی صحت پر خردہ گیری کی جا سکے۔ سید صاحب نے اپنی تقریر میں نظام تمدن کو ایک زندہ متحرک

جسم ذوی الاعضا سے تشبیہ دیکر بیان کیا تھا کہ اس جسم کے اعضا مختلف حرفے اور
پیشے ہیں۔ مثلاً بادشاہ اگر دماغ ہے تو لوہار ہاتھ ہیں۔ کاشتکار جگر ہے ملاح پاؤں
ہیں۔ وقس علی ہذا۔ اس تمہید کے بعد سید صاحب نے کہا کہ انسانی جماعت کی
ہیئت ترکیبی کا بھی یہی حال ہے لیکن جسم بغیر روح کے زندہ نہیں رہ سکتا۔
انسانی جماعت کے جسم کی روح ملکۂ نبوت ہے یا ملکہ تفلسف۔ اگر ان دونوں
میں بھی یہ امر مابہ الامتیاز ہے کہ نبوت ایک انعام وہبی ہے جو کوشش سے
نہیں ہاتھ آتا بلکہ اس شخص کو ملتا ہے جسے جناب باری کی عنایت خاص
اس کا مستحق خیال کرے۔ اور دوسرا ملکہ یعنی فلسفیانہ قوت اکتسابی ہے جو غور
وفکر اور مشاہدہ و تجربہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ان ملکات دوگانہ
میں یہ فرق بھی ہے کہ پیمبر معصوم و غیر خاطی ہوتا ہے۔ حالانکہ فلسفی گمراہ ہو سکتا ہے
اور اس سے خطا سرزد ہو سکتی ہے +

شیخ الاسلام نے ان الفاظ سے وہ موقع نکال کیا جس کا وہ آرزومند تھا اور
سید جمال الدین پر منصب نبوت کو پیشہ اور نبی کو پیشہ ور ظاہر کرنے کا الزام لگایا۔
سید صاحب کی طرف سے اس الزام کی تردید ہوئی اور مطبع و منبر اس بحث کی
جولانگاہ بن گئے۔ شیخ الاسلام کو کج حجتی کی پیچ تھی۔ اور سید صاحب کو اپنے دعوی
پر اصرار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بحث طول کھینچکر حد سے زیادہ تلخ ہو گئی۔ اور دولت
عثمانیہ کی طرف سے بخیال حفظ امن و امان سید صاحب کو ایما ہوا کہ کچھ عرصہ
کے لئے قسطنطنیہ سے چلے جائیں۔ اس پر انہوں نے دوبارہ مصر کا رُخ
کیا جہاں وہ ۲۲ مارچ سنہ ۱۸۷۱ء کو پہنچے +

سید صاحب کا ابتداءً یہ قصد تھا کہ مصر میں محض برائے چندے قیام کریں لیکن یہاں پہنچ کر ریاض پاشا سے اُن کی ملاقات ہوئی جس پر اُن کے کمالات و فضائل کا یہاں تک اثر ہوا کہ اُنھوں نے گورنمنٹ مصر سے اُن کا ایک ہزار پیاسٹر ماہانہ وظیفہ مقرر کرادیا۔ طالب علم اور ارباب ذوق سلیم اُن کے علم و فضل کا شہرہ سُن کر جوق جوق اُن کے پاس آنے لگے۔ اور وہ اُن لوگوں کے اشتیاق آمیز اصرار پر فقہ و حدیث فلسفہ و منطق ہیئت و تصوف کے منتہیانہ مسائل کی گتھیاں اُن کے لئے سلجھانے لگے۔ مصر میں اُن کی شہرت روز بروز بڑھتی گئی اور اُن کا حلقہ اثر جلد جلد وسیع ہوتا گیا۔ اُنھوں نے اپنے شاگردوں میں انشاپردازی کا مذاق پیدا کرنے پر بہت کچھ توجہ صرف کی۔ اور ادب۔ فلسفہ۔ مذہب۔ پالیٹکس ہر موضوع پر خامہ فرسائی کرنے کی اُنھیں ترغیب دلائی۔ اُس وقت تک مصر میں گنتی کے اہل قلم موجود تھے۔ مشہور انشاپردازوں میں عبداللہ پاشا فکری۔ خیری پاشا۔ محمد پاشا۔ مصطفےٰ پاشا وہبی اور چند اور ادیبوں کا نام لیا جاسکتا تھا۔ لیکن سید صاحب کی مساعی جمیلہ کی بدولت نوجوان طبقہ میں مشاق اور نکتہ آفرین انشاپردازوں کی تعداد بہ سرعت تمام بڑھنے لگی۔ اور ملک میں ایسے لوگ بکثرت پیدا ہو گئے جو نہایت قابلیت کے ساتھ ہر مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار بہ آسانی کر سکتے ہیں۔

لیکن قسطنطنیہ کی طرح مصر میں بھی سید صاحب کے کمالات نے خاص خاص لوگوں کو فرط حسد سے اُن کا دشمن بنادیا۔ پُرانی وضع کے علماء کا اُن پر یہ اعتراض تھا کہ وہ احیائے تعلیم فلسفہ میں ساعی ہیں۔ اِدھر انگریزی قونصل جنرل مسٹر وویَن نے جو بعد میں لارڈ وویَن کے لقب سے ملقب ہوئے سید صاحب کی پولیٹیکل سرمیوں کو